

## غیر واضح الدلالة الفاظ اور تفسیر قرآن Unclear Words and Quranic Tafsir

Hafiz Abdullah, Assistant Professor  
Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore

### Abstract

Unclear Words (*al-Alfaz Ghayr al-Wadihah*) are the words which do not by themselves communicate a clear meaning without the help of supplementary evidence that may be delivered by the Lawgiver Himself, or by the mujtahid. Keeping in view the ambiguity of the words, they are classified into four, as *Khafi* (obscure) and *Mushkil* (difficult) *Mujmal* (ambivalent) or *Mutashabih* (intricate). The article deals with the definition and fundamental issues of these words and reveals that how these words play vital role in the Quranic interpretation.

Keywords: Quranic Tafsir; Mujmal; Mutashabih.

یہ وہ الفاظ ہیں جن کی دلالت اپنے معنی پر مخفی ہو یعنی ظاہر نہ ہو اور کسی لفظ سے جو چیز مراد ہو اس کو وہ لفظ خود نہ بتلائے بلکہ یہ دلالت کسی خارجی امر پر موقوف ہو۔ جس طرح ظہور معنی کے مراتب کے اعتبار سے واضح الدلالة الفاظ کی چار اقسام ہیں اسی طرح معنی کے خفا کے مراتب کے اعتبار سے غیر واضح الدلالة الفاظ کی بھی چار اقسام ہیں۔ جس طرح ظہور معنی کی اقسام میں بعض، بعض سے اولیٰ ہیں اسی طرح ان کی مقابل قسموں میں خفا کے اعتبار سے بعض، بعض سے اقویٰ ہیں۔ خفا کے اعتبار سے چار اقسام یہ ہیں۔ 1- خفی 2- مشکل 3- مجمل 4- متشابہ جس طرح ظہور معنی کے اعتبار سے الفاظ کا چار میں حصر ہے اسی طرح معنی کے خفا کے اعتبار سے بھی چار ہی میں حصر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر لفظ کے معنی خفی ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں اس کا خفا یا تو نفس صیغہ کی وجہ سے ہو گا یا کسی اور عارض کی وجہ سے۔ اگر معنی کا خفا کسی عارض کی وجہ سے ہے تو "خفی" ہے اور اگر نفس صیغہ کی وجہ سے ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ طلب و تامل سے اس کا ادراک ممکن ہو گا یا اس کا ادراک محض طلب و تامل سے ممکن نہیں ہو گا۔ طلب و تامل سے اس کا ادراک ممکن ہے تو وہ "مشکل" ہے اور اگر اس کا ادراک ممکن نہیں ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں متکلم کی جانب سے اس کی وضاحت کی توقع ہو گی یعنی نقل سے اس کی

وضاحت ہو سکتی ہوگی یا متکلم یعنی شارع کی طرف سے اس کی وضاحت کی توقع نہیں ہوگی یعنی نقل سے اس کی وضاحت ممکن نہیں ہوگی۔ اگر نقل سے یعنی شارع کی جانب سے اس کی وضاحت کی توقع ہے تو وہ "مجمل" ہے اور اگر شارع کی جانب سے اس کی وضاحت کی توقع نہیں ہے تو وہ متشابہ ہے۔

علامہ یعقوب البنانی نے اس کو بڑے موجز انداز سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

"ان الخفا ما لنفس اللفظ أو لعارض فالثاني يسي خفيا والاول اما أن يدرك المراد بالعقل اولاً

الاول يسي مشكلاً والثاني اما أن يدرك المراد منه بالنقل اولاً الاول يسي مجملاً والثاني

متشابهاً۔" (1)

"پیشک خفا یا تو نفس صیغہ کی وجہ سے ہو گا یا کسی اور عارض کی وجہ سے، پس دوسری صورت میں وہ خفی کہلائے گا اور اول صورت میں وہ دو حال سے خالی نہیں، تامل سے عقل کے ذریعے اس کا ادراک ممکن ہوگا یا نہیں، اول صورت مشکل کہلائے گی اور ثانی (دو حال سے خالی نہیں) یا تو متکلم کے متوقع بیان سے مراد کا حصول ممکن ہو گا یا نہیں، پہلا مجمل اور دوسرا متشابہ کہلائے گا۔"

جس طرح واضح الدلالة الفاظ اصل ظہور کے متحقق ہونے کے بعد ظہور کے مراتب میں مختلف ہیں اسی طرح ان کے متقابلات یعنی غیر واضح الدلالة الفاظ اصل خفا کے ثابت ہونے کے بعد مراتب خفا میں متفاوت ہیں "خفی" میں ادنیٰ درجہ کا خفا ہوتا ہے اس لیے خفی اس "ظاہر" کا مقابل ہوگا جس میں ادنیٰ درجہ کا ظہور ہوتا ہے اور "مشکل" میں چونکہ "خفی" کی نسبت زیادہ خفا ہوتا ہے۔ اس لیے مشکل اس "نص" کا مقابل ہوگا جس میں "ظاہر" کی نسبت ظہور زیادہ ہوتا ہے۔ اور "مجمل" میں چونکہ "مشکل" کی نسبت زیادہ خفا ہوتا ہے اس لیے "مجمل" اس مفسر کا مقابل ہوگا جس میں "نص" کی نسبت زیادہ ظہور ہوتا ہے اور "متشابہ" میں چونکہ سب سے زیادہ خفا ہوتا ہے اس لیے متشابہ اس "محکم" کا مقابل ہے جس میں سب سے زیادہ ظہور ہوتا ہے اب ان میں ہر قسم پر علیحدہ علیحدہ بحث کی جائے گی۔

خفی:

غیر واضح الدلالة الفاظ میں سب سے پہلی "خفی" ہے۔ خفی وہ کلام ہے جس کی مراد ایسے عارض کی وجہ سے پوشیدہ ہو جو عارض صیغہ کے علاوہ کسی اور چیز سے پیدا ہوا ہو اور اس کی مراد طلب اور جستجو سے ہی حاصل ہو سکتی ہو۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"فالخفي اسم لكل ما اشتبه معناه وخفي مراده بعارض غير الصيغة لاينال الا بالطلب، وذلك ماخوذ من قولهم: اختفى فلان اذا استتر في مصراة بحيلة من غير تبديل في نفسه فصار لا يدرك الا بالطلب وذلك مثل النباش والطارار وهذا في مقابلة الظاهر۔" (2)

"پس خفی ہر وہ کلام ہے جس کے معنی میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور اس کی مراد صیغہ کے علاوہ کسی اور عارض کی وجہ سے مخفی ہو اور اسے تلاش و جستجو کے بغیر معلوم نہ کیا جاسکتا ہو اور یہ ان کے قول "اختفى فلان" سے ماخوذ ہے یعنی وہ شخص جو اپنی ذات میں ردوبدل کیے بغیر کسی عارضی حیلہ کی بناء پر اپنے شہر میں چھپ گیا ہو۔ پس وہ ایسے ہو گیا کہ اس تک رسائی طلب و جستجو کے بغیر ممکن نہیں اور طرار (جیب کترے) اور نباش (کفن چور) کے اسماء کی مثل ہے یہ ظاہر کے مقابلہ میں ہے۔"

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"واما الخفي فهو اسم لما اشتبه معناه وخفي المراد منه بعارض في الصيغة ينعم نيل المراد بها الا بالطلب، ماخوذ من قولهم: اختفى فلان استتر في وطنه وصار بحيث لا يوقف عليه بعارض حيلة أحدثه الا بالمبالغة في الطلب من غير أن يبدل نفسه أو موضعه، وهو ضد الظاهر۔" (3)

"اور خفی ایسے کلام کا نام ہے جس کے معنی مشتبه ہوں اور اس کی مراد صیغہ کے کسی ایسے عارض کی وجہ سے مخفی ہو کہ جو طلب و جستجو کے بغیر مراد کے حصول سے مانع ہو اور یہ (خفی) ان (اہل عرب) کے قول "اختفى فلان" سے ماخوذ ہے۔ جب کوئی شخص اپنے وطن میں چھپ گیا ہو اور وہ اپنے پیدا کردہ حیلہ عارضہ کے ذریعے ایسا ہو جائے کہ شدید طلب و جستجو کے بغیر اس تک رسائی ممکن نہ ہو سکے البتہ اس کا پوشیدہ ہونا اس کی اپنی ذات یا جگہ میں ردوبدل کے بغیر ہو اور خفی ظاہر کی ضد ہے۔"

دونوں ائمہ کی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ خفی وہ کلام ہے جس کے معنی مشتبه اور اس کی مراد پوشیدہ ہو لیکن یہ خفا صیغہ کے علاوہ کسی اور عارض کی وجہ سے ہو۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص لباس اور ہیئت بدلے بغیر کسی حیلہ سے شہر میں چھپ گیا ہو اور تلاش و جستجو کے بغیر اس کو معلوم نہ کیا جاسکتا ہو۔ اس طرح خفی کی مراد سے بھی طلب و جستجو کے ذریعے ہی آگاہی ہو سکتی ہے اور چونکہ اس میں ادنی درجہ کا خفا ہے اور اس ادنی درجہ کے خفا پر خود مذکورہ مثال دلالت کر رہی ہے اس لیے اس کے مقابلہ میں ظاہر ہے جس میں سب سے کم ظہور پایا جاتا ہے۔ علامہ بزدوی کا قول "لاينال الا بالطلب" اور علامہ سرخسی کا قول "ينعم نيل المراد بها الا بالطلب" خفا کی تاکید کے لیے ہے اس لیے کہ کوئی خفا ایسا نہیں جس کو بغیر طلب کے حاصل کیا جاسکتا ہو۔

علامہ بزدویؒ کے قول "وذلك مثل النباش والطارار" کی شرح میں علامہ عبد العزیز بخاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

"(وذلك) أي الخفي مثل الطرار والنباش تسامح لانهما ليسا بخفيين بل آية السرفة خفية في حقهما، ولكن لما حصل المقصود وهو فهم المعنى لم يلتفت الشيخ الى جانب اللفظ، والاولى أن يقال: وذلك مثل آية السرفة في حق الطرار والنباش كما ذكره هوني شرح التقيوم وغيرها في تصانيفهم، ويجوز أن يكون ذلك إشارة الى العارض أي العارض الذي صارت الآية خفية بسببه مثل اسم الطرار والنباش ولكن فيه بعد -" (4)

"یعنی (علامہ بزدویؒ کا یہ قول) "الخفي مثل الطرار والنباش" تسامح پر مبنی ہے اس لیے کہ ان دونوں الفاظ میں (بفسہ) کوئی خفا نہیں ہے بلکہ آیت سرقہ ان کے حق میں مخفی ہے لیکن جب مقصود یعنی معنی کا فہم حاصل ہو گیا تو شیخ (علامہ بزدویؒ) نے لفظ کی جانب توجہ نہیں دی، حالانکہ بہتر یہ تھا کہ یوں کہا جاتا "وذلك مثل آیت السرقہ فی حق الطرار والنباش" جیسا کہ انہوں نے شرح تقویم اور اپنی دیگر تصانیف میں ذکر فرمایا ہے۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اشارہ ہو اس عارض کی طرف کہ جس سبب کی وجہ سے وہ آیت خفی ہوئی ہے جیسے طرار ونباش کا نام، لیکن اس توجیہ میں بُعد ہے۔"

اسی طرح علامہ بزدویؒ کی عبارت میں "بعارض غیر الصیغہ" کے الفاظ ہیں جبکہ علامہ سرخسیؒ کی عبارت میں "بعارض فی الصیغہ" کے الفاظ ہیں دونوں کی توجیہ و تطبیق علامہ عبد العزیز بخاریؒ کشف الاسرار میں اس طرح فرماتے ہیں:

"وذكر شمس الاثم (بعارض في الصيغة) مكان قول المصنف (بعارض غير الصيغة) وعني به أن الخفاء في الصيغة وهو السارق مثلاً بالعارض وهو ما ذكرنا لأن يكون أصله خفياً فيكون موافقاً لما ذكره الشيخ رحمه الله، وقيل المراد من الصيغة في كلام المصنف نظم الآية والمراد منها في كلام شمس الاثم صيغة الطرار والنباش مثلاً ولا اختلاف إذا بين كلامهما ولكن الوجه هو الاول -" (5)

"اور شمس الاثم نے مصنف کے قول "بعارض غير الصيغة" کی جگہ "بعارض في الصيغة" کو ذکر کیا ہے اور ان کی اس سے مراد کہ خفا صیغہ میں ہوتا ہے وہی ہے جیسا کہ لفظ "السارق" میں خفا اس عارض کی وجہ ہے جس کی تفصیل ہم ذکر کر چکے، نہ کہ وہ (صیغہ) اپنی اصل میں خفی ہوتا ہے پس یہ شیخ کے ذکر کردہ کلام سے موافق ہو گیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مصنف کے کلام میں صیغہ سے مراد نظم کلام

ہے اور شمس الآئمه کی عبارت میں اس سے مراد مثلاً طرار ونباش کا صیغہ ہے، تو تب ان دونوں کے کلام میں کوئی اختلاف نہ رہا لیکن پہلی توجیہ زیادہ مناسب ہے۔"

ڈاکٹر ادیب صالح علامہ دبوسی اور علامہ بزدوی اور علامہ سرخسی کی بیان کردہ تعریفات سے خفی کی تعریف اس طرح اخذ کرتے ہیں:

اللفظ الظاهر في دلالتة على معناه، ولكن عرض له من خارج صيغة، ما جعل في انطباقه على بعض افرادة نوع غموض وخفا، لا يزول الا بالطلب والاجتهاد فيعتبر اللفظ خفياً بالنسبة الى هذا البعض من الافراد- (6)

ایسا لفظ جو اپنے معنی پر دلالت کرنے میں ظاہر ہو لیکن اسے خارج الصیغہ کوئی عارضہ لاحق ہو جائے جو (عارضہ) نوع کے بعض افراد پر اس (لفظ) کے انطباق کو مخفی بنا دے اور وہ خفا طلب اور اجتہاد کے بغیر زائل نہ ہو، پس ان بعض افراد کی طرف نسبت کرتے ہوئے لفظ کو خفی سمجھا جاتا ہے۔

خفی کا حکم:

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"وحكمه النظر فيه ليعلم ان اختفاء اللمزية او نقصان فيظهر المراد- (7)"

"خفی میں اس حد تک غور و فکر کرنا ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا خفاء معنی کی زیادتی وجہ سے ہے یا نقصان کی وجہ سے۔ پس اس سے کلام کی مراد ظاہر ہو جائے گی۔"

اور علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"ثم حكم الخفي اعتقاد الحقيقة في المراد ووجوب الطلب الى أن يتبين المراد- (8)"

"پھر خفی کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کو حق جانتے ہوئے اس کا طلب کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ مراد بالکل واضح ہو جائے۔"

علامہ نسفی اپنی عادت کے مطابق فخر الاسلام بزدوی کی اتباع میں خفی کا حکم "المنار" میں بیان فرماتے ہیں:

"وحكمه: النظر فيه ليعلم أن اختفاء اللمزية أو نقصان فيظهر المراد به- (9)"

"اور خفی کا حکم: خفی میں اس حد تک غور و فکر کرنا ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا خفاء معنی میں اضافہ کی وجہ سے ہے یا نقصان کی وجہ سے پس اس سے کلام کی مراد ظاہر ہو جائے گی۔"

اور ملا جیون شرح "نور الانوار علی المنار" میں اس کی شرح فرماتے ہیں:

"أى حکم الخفی النظر فیہ وهو الطلب الاول لیعلم أن اختفاء لاجل زیادة المعنی فیہ علی الظاهر، أو نقصانه فیہ، فحینئذ یظهر السراد فی حکم فی زیادة علی حسب ما یعلم من الظاهر ولا یحکم فی النقصان قط۔" (10)

"یعنی خفی کا حکم اس میں غور و فکر کرنا ہے اور یہ پہلی طلب ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا خفا اس وجہ سے ہے کہ اس میں ظاہر کی بہ نسبت زیادہ معنی ہیں یا کم معنی ہیں پس اس وقت کلام کی مراد ظاہر ہو جائے گی اور زیادتی کی صورت میں اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا جو ظاہر سے معلوم ہو گا اور نقصان کی صورت میں حکم نہیں لگایا جائے گا۔"

ڈاکٹر ادیب صالح "تفسیر النصوص" میں خفی کے حکم سے متعلق متقدمین اصولیین کی بحث اپنے الفاظ میں بڑی

وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"فی ضوء ما تقدم ندرک أن حکم الخفی وجوب النظر، من بحث وتامل، لیعلم المجتهد ما اذا کان الغبوض ناشئاً عن مزیة هی زیادة فی المعنی الذی کان اللفظ ظاهراً للدلالة فیہ أمر لنقص فی هذا المعنی۔ فان كانت البزیة زیادة فی المعنی عمل المجتهد بما أدى علیه اجتهاده من الحاق هذا الفرد بما ظهر المعنی فیہ، فانطبق علیه وأخذ حکبه۔"

وان كانت البزیة نقصاً نشأ من اختصاص بعض الافراد باسم معین أو انضمام بعض الاوصاف الیه، حکم المجتهد بعدم الحاق هذا البعض بافراد اللفظ، وبأن حکبه لا ینطبق علیه۔" (11)

حاصل یہ ہے کہ خفی کا حکم اس میں مجتہد کا اس حد تک غور و فکر کرنا ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا خفا معنی کی زیادتی کی وجہ سے ہے یا معنی کے نقصان کی وجہ سے۔ اس سے اس کلام کی مراد ظاہر ہو جائے گی پس اگر یہ خفا زیادتی معنی کی وجہ سے ہے تو اس پر وہی حکم لگایا جائے گا جو ظاہر سے معلوم ہو گا اور اگر یہ خفا نقصان معنی کی وجہ سے ہے تو ظاہر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کتب اصول میں آیت سرقہ سے "خفی" اور اس کے حکم کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما﴾ (12) چور کا ہاتھ کاٹنے کے واجب ہونے کے سلسلہ میں ظاہر ہے کیونکہ اس آیت سے چور کے ہاتھ کا کاٹنا جانا بغیر

تامل اور غور و فکر کے واضح ہو جاتا ہے لیکن یہ کلام طرار (جیب کترے) اور نباش (کفن چور) کے حق میں خفی ہے یعنی ان دونوں کے حق میں سارق کا حکم پوشیدہ ہے اور یہ خفا اور پوشیدگی ایسے عارض کی وجہ سے ہے جو عارض خود ان دونوں میں موجود ہے اور وہ عارض یہ ہے کہ اہل زبان ان دونوں کو سارق کے علاوہ دوسرے ناموں کے ساتھ خاص کرتے ہیں یعنی جیب کترے کو طرار اور کفن چور کو نباش کہتے ہیں۔ چنانچہ تامل اور غور و فکر سے یہ معلوم ہوا کہ جیب کترے کا دوسرے نام کے ساتھ مخصوص ہونا سرقہ کے معنی کے زائد ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ سرقہ نام ہے مال محترم محفوظ کو چپکے سے لے لینا اور جیب کترا ایک گونہ غفلت اور سستی میں ڈال کر ایسے آدمی کا مال چوری کرتا ہے جو بیدار ہوتا ہے اور اپنے مال کی حفاظت کا قصد رکھتا ہے اور کفن چور کا دوسرے نام کے ساتھ مخصوص ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس میں سرقہ کے معنی کم ہیں کیونکہ یہ ایسے مردوں کا مال چوری کرتا ہے جو مال کی حفاظت کا ارادہ نہیں رکھتے پس دلالت انص کی رو سے زیادتی معنی کی وجہ سے طرار پر قطع ید کا حکم لگایا جاتا ہے اور نقصان معنی کی وجہ سے کفن چور کی طرف قطع ید کا حکم متعدی نہیں ہو گا۔ (13)

### مشکل:

غیر واضح الدلالة الفاظ میں دوسرا مرتبہ خفا کے اعتبار سے "مشکل" کا ہے۔ مشکل "نص" کے مقابلہ میں ہے جس طرح نص میں ظاہر سے زیادہ ظہور پایا جاتا ہے اسی طرح "مشکل" میں "خفی" سے زیادہ خفا ہوتا ہے۔

"مشکل" اشکل الشیء سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شے اپنی ہم شکل اور ہم مثل چیزوں میں داخل ہو جائے۔ جیسے احرام اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص حرم میں داخل ہو جائے اور اشقی اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص شتا (سردی کے موسم) میں داخل ہو جائے۔ اصطلاح میں مشکل وہ کلام ہے جس کی مراد طلب اور تامل کے بغیر حاصل نہ ہو سکتی ہو اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مشکل کے معنی مرادی دوسرے معنی کے ساتھ گھلے ملے ہوتے ہیں اس اشتباہ معانی کی وجہ سے معانی مرادی کا پتہ لگانے کے لیے طلب اور تامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"ثم البشکل وهو الداخل في اشكاله وامثاله مثل قولهم احرام اي دخل في الحرم واشتی اي دخل في الشتاء وهذا فوق الاول لاينال بالطلب بل بالتامل بعد الطلب ليتبين عن اشكاله وهذا الغبوض

فی المعنی اول استعارۃ بدیعة وذلك یسی غریبا مثل رجل اغترب عن وطنه فاختلط باشکاله من الناس فصار خفیا بمعنی زائد علی الاول۔" (14)

"پس مشکل وہ ہے جو اپنے ہم شکل و ہم مثل اشیاء میں داخل ہو جائے جیسے عربوں کا یہ قول "احرم" یعنی حرم میں داخل ہوا یا لفظ اشتی یعنی موسم سرما میں داخل ہوا یہ پہلے والے سے اوپر ہے، صرف طلب سے اس کی مراد حاصل نہیں کی جا سکتی بلکہ طلب کے بعد غور و فکر اور تامل کرنا ہو گا تا کہ وہ اپنے ہم شکل سے ممتاز ہو جائے اور ایسا معنی میں گہرائی کی وجہ سے یا نادر استعارہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو غریب کہا جاتا ہے، جیسا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص وطن سے غریب ہو گیا تو ہم شکل لوگوں میں خلط ہو گیا، پس یہ خفی سے زائد معنی کے ساتھ ہو گا۔"

اور علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"وفوقه (ای الخفی) البشکل وهو ضد النص، ماخوذ من قول القائل: أشکل علی کذا۔ آی دخل فی اشکاله وامثاله، کہا یقال: أحرم، آی دخل فی الحرم، واشتی آی دخل فی الشتاء۔ وأشام آی دخل الشام، وهو اسم لبایشتبه البراد منه بدخوله فی اشکاله علی وجه لایعرف البراد الابدلیل یتیمز به من بین سائر الاشکال، والبشکل قریب من المجمل ولهذا خفی علی بعضهم فقالوا: البشکل والمجمل سواء ولكن بینهما فرق فالتیمز بین الاشکال لیوقف علی البراد قد یكون بدلیل آخر وقد یكون بالمبالغة فی التامل حتی یتظهر به الراجح، فیتبین به البراد فهو من هذا الوجه القریب من الخفی ولكن، فوفقه فهناک الحاجة الی التامل فی الصیغة فی اشکالها۔" (15)

"خفی سے اوپر مشکل ہے اور یہ نص کا ضد و مقابل ہے، یہ قائل کے اس قول سے لیا گیا ہے "اشکل علی کذا" یعنی اپنے ہم شکل اور امثال میں داخل ہو گیا جب کہ کہا جاتا ہے کہ احرم یعنی حرم میں داخل ہو گیا یا اشتی یعنی موسم سرما میں داخل ہوا یا اشام شام میں داخل ہوا۔ یہ "مشکل" نام ہے اس چیز کے لیے جس کی مراد مشتبه ہو کیونکہ وہ اپنے ہم شکلوں میں داخل ہوا ایسے طریقہ سے جس سے مراد معلوم نہیں ہوتی مگر دلیل کے ساتھ تا کہ وہ دلیل اس کو ہم شکلوں سے ممتاز کر دے، مشکل مجمل کے قریب ہے اسی وجہ سے مشکل (کی اصطلاح کا مفہوم) بعض پر خفی اور پوشیدہ ہو گیا تو وہ کہنے لگے کہ مشکل اور مجمل ایک جیسے اور برابر ہیں حالانکہ

دونوں کے درمیان فرق ہے پس ہم شکلوں کے درمیان تمیز کرنا تا کہ مراد پر آگاہی ہو جائے کبھی کبھی دوسری دلیل سے ہوا کرتی ہے اور کبھی غور و فکر اور تامل میں مبالغہ کرنے کے ساتھ یہاں تک کہ راجح معنی واضح ہو جائیں اس لحاظ سے یہ خفی کے قریب ہے لیکن خفی سے خفا میں اوپر ہے پس یہاں ضرورت ہے صیغہ اور اس کی اشکال میں غور و فکر و تامل کرنے کی۔"

علامہ بزدویؒ کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ اشکال جو مشکل میں پایا جاتا ہے یا معنی کے غموض کی وجہ سے ہے یا استعارہ بدیعہ کی وجہ سے۔

جہاں تک معنی میں غموض کی وجہ سے جو اشکال پیدا ہوتا ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فاتوا حرثکم ائی شئتم﴾ (16) ہے۔

علامہ عبد العزیز بخاریؒ "اصول بزدوی" کی شرح کشف الاسرار میں فرماتے ہیں:

"اشتبه معناه على السامع انه بمعنى كيف أو بمعنى أين فعرف بعد الطلب والتأمل أنه بمعنى كيف بقراءة الحرث وبدلالة حرمة القربان في الاذى العارض وهو الحيض ففي الاذى الاثر اولی۔" (17)

"سامع پر اس کا معنی مشتبه ہو گیا، کہ یہ یہاں "اين" کے معنی پر ہے یا "كيف" کے معنی پر، تو غور و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں بمعنی كيف ہے اور اس کا قرینہ لفظ حرث ہے اور اس دلیل کے ساتھ کہ بیوی کے ساتھ مباشرت حرام ہے اس اذیت اور تکلیف کی وجہ سے جو اس کو درپیش ہوتی ہے اور وہ حیض ہے۔ پس اذی لازم (یعنی وطی فی الدر میں) میں تو بطریق اولی حرمت ہو گی۔"

مثال کا حاصل یہ ہے کہ لفظ ائی "من أين" اور "كيف" کے معنی کے درمیان مشترک ہے یعنی ائی کے معنی "من أين" کے بھی آتے ہیں جیسا کہ حضرت زکریا نے مریمؑ سے کہا: ائی لك هذا تیرے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے اور لفظ ائی كيف" کے معنی میں آتا ہے جیسے لڑکے کی بشارت کے وقت حضرت زکریا نے فرمایا ائی یكون لی غلام" میرے ہاں بچہ کس طرح پیدا ہو گا پس ائی شئتم میں اشتباہ ہو گیا کہ یہاں ائی کس معنی میں مستعمل ہے۔

اگر "من أين" کے معنی میں مستعمل ہے تو معنی ہوں گے "من أي مكان شئتم" یعنی جس مکان سے چاہو آؤ قبل سے یا دیر سے۔ اور اگر ائی كيف کے معنی میں مستعمل ہے تو معنی ہوں گے بایة کیفیت شئتم یعنی تم جس کیفیت کے ساتھ چاہو آؤ۔ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، لیٹ کر یا کروٹ سے۔ پس اس بارے میں غور کرنے کے بعد کہ یہاں لفظ ائی، كيف کے معنی میں ہے۔ ﴿نساءؤکم حرث لکم﴾ کا قرینہ اس معنی پر

دلیل ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ محلِ حرث قبل ہے نہ کہ دبر اس طرح آیت ﴿وَيَسْتَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هِيَ مَا عَلِمْتُمْ فِي الْأُنثَىٰ وَالنَّسَاءُ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ (18) سے باعتبار دلالت کے دبر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اذیت عارضہ جو کہ حیض ہے اس میں عورتوں کے قریب جانا ممنوع ہے تو اذیت لازمہ یعنی دبر کی طرف جانا تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے۔ پس بعد تامل معلوم ہوا کہ انیٰ بمعنی کیف ہے نہ کہ من ائین۔

اور استعارہ بدیعہ کہ وجہ سے جو اشکال پیدا ہوتا ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿قَوَارِيرٌ مِّنْ فِضَّةٍ﴾ ہے۔ (19)

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ کشف الاسرار میں فرماتے ہیں:

"فالقوارير لا يكون من الفضة وما كان من الفضة لا يكون قوارير ولكن للفضة صفة كمال وهي نفاسة جوهرة وبياض لونه وصفة نقعان وهي انها لا تصفو ولا تشف وللقارورة صفة كمال أيضاً وهي الصفاو الشفيف وصفة نقصان وهي حساسة الجوهر فعرف بعد التامل أن المراد من كل واحد صفة كماله وأن معناها أنها مخلوقة من فضة وهي مع بياض الفضة في مقاء القوارير وشفيها۔" (20)

"پس شیشے چاندی میں سے نہیں ہوتے اور جو چیز چاندی سے ہو وہ شیشہ نہیں ہو سکتی لیکن چاندی کے لیے صفتِ کمال بھی ہے اور وہ اس کی ذاتی نفاست اور اس کے رنگ کی سفیدی ہے اور صفتِ نقصان بھی ہے کہ وہ صاف و شفاف نہیں ہوتی اور شیشے کے لیے بھی صفتِ کمال ہے وہ اس کا صاف و شفاف ہونا ہے اور صفتِ نقصان بھی ہے اور وہ ذات کی حساست ہے۔ تو غور و فکر اور تامل کے بعد معلوم ہوا کہ مراد ہر ایک سے صفتِ کمال ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ پیدا کی گئی ہے چاندی سے اور یہ چاندی اپنی سفیدی کے ساتھ صاف و شفاف ہونے میں شیشے کی طرح ہے۔"

علامہ سرخسیؒ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کبھی مشکل کی مراد سے واقف ہونے کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ معنی مرادی اور دوسرے معنی میں تمیز ہو سکے اس اعتبار سے مشکل، مجمل کے قریب ہے اس لیے بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ مشکل اور مجمل ایک ہی ہیں۔ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے

عبدالوہاب خلاف نے غالباً اسی قسم کے اشکال کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

"وقد ينشأ الاشكال في مقابلة النصوص بعضها ببعض، أى يكون كل نص على حدته ظاهر الدلالة على معناه ولا اشكال في دلالة، ولكن الاشكال في التوفيق والجمع بين هذه النصوص، ومثال هذا قوله تعالى: ( ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك) (21) مع قوله سبحانه تعالى ( قل كل من عند الله) (22) وقوله تعالى ( ان الله لا يامر بالفحشاء) (23) مع قوله سبحانه ( وَاِذَا ارْتَدَّآ اَنْ تَهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا) (24) وسائر النصوص ظاهرها التعارض - (25)"

"اور کبھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ نصوص میں بعض، بعض کے مقابل ہیں یعنی ہر ایک نص اپنے معنی پر علیحدہ علیحدہ ظاہر الدلالة ہے اور اس کی دلالت میں کوئی اشکال نہیں ہے لیکن اشکال ان نصوص کے درمیان موافق ہونے اور جمع ہونے میں ہے اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ما اصابك من حسنة مع قوله تعالى (قل كل من عند الله) وقوله تعالى (ان الله لا يامر) مع قوله تعالى (واذا اردنا)۔"

اور دوسری بات علامہ سرخسیؒ کی عبارت سے یہ معلوم ہو رہی ہے کہ کبھی یہ اشکال تامل اور غور و فکر میں مبالغہ سے دور ہوتا ہے اور مراد ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ "خفی" کے قریب ہے پھر فرماتے ہیں "ولکنہ فوقہ" یعنی اس سے اس میں خفا زیادہ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ عبد العزیز بخاریؒ نے "کشف الاسرار میں اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ حُبَابًا فَأَطَّهَرُوا﴾ (26) بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"فانه مشكل في حق الغم والانف لانه امر بغسل جميع البدن والباطن خارج منه بالايجاب للتعذر فبقي الظاهر مرادا وللغم والانف شبه بالظاهر حقيقته وحكما وشبه بالباطن كذلك على ما عرف فاشكل امرها باعتبار هذين الشبهين فبعد الطلب الحقناهما بالظاهر احتياطا ثم وجدنا داخل العين خارجا من الوجوب مع ان له شبها بالظاهر وشبهها بالباطن حقيقة وحكما - اما حقيقة فظاهر واما حكما فلأن الباء لو دخل عين الصائم او اکتحل لا يفسد صومه ولو خرج دم من قرحة في عينه ولم يخرج من العين لا يفسد وضوئه وان تجاوز عن القرحة، فتاملنا فيه فوجدنا خارجا للتعذر كالباطن لان اوصول الباء الى داخل العين سبب للعي وليس في اوصولها الى داخل الغم والانف حرج

فبقي داخل تحت الوجوب هذا هو معنى التامل بعد الطلب - قلت: هذا معنى فقهي لطيف الا ان ما ذكره لا يصلح نظيراً للمشكل لان المشكل ما كان في نفسه اشتباه وليس ما ذكره كذلك لان معنى التطهر لغة وشرعاً معلوم ولكن اشتبه بالنسبة الى الفم والانف كاشتباه لفظ السارق بالنسبة الى الطراد والنباش فكان من نظائر الخفي لا من نظائر المشكل - "(27)

یہ آیت غسل میں ناک اور منہ کے دھونے کے بارے میں مشکل ہے۔ کیونکہ تمام بدن کے دھونے کا حکم ہے اور باطن بدن بالاجماع اس سے خارج ہے کیونکہ اس کا دھونا مشکل ہے۔ تو ظاہر بدن کا مراد لینا باقی رہ گیا۔ منہ اور ناک کو ظاہر بدن کے ساتھ بھی حقیقتاً بھی مشابہت ہے اور حکماً بھی اور اسی طرح باطن سے بھی مشابہت ہے جیسا کہ معروف بات ہے۔ اب ان دونوں یعنی ناک اور منہ کے بارے میں اشکال پیدا ہو گیا، انہی دونوں مشابہتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے طلب کے بعد ہم نے احتیاطاً ان دونوں (منہ اور ناک) کو ظاہر بدن کے ساتھ ملحق کیا۔ پھر ہم نے آنکھ کے اندرونی حصہ کو وجوب غسل سے خارج قرار دیا اگرچہ وہ بھی حقیقتاً و حکماً ظاہر اور باطن دونوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس کا حقیقتاً ظاہر بدن ہونا تو واضح بات ہے۔ جو حکماً مشابہت ہے وہ یہ ہے کہ پانی اگر روزہ دار کی آنکھ میں داخل ہو جائے یا وہ سرمہ لگائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح اگر آنکھ کے اندر زخم سے خون نکلے لیکن وہ آنکھ سے باہر نہ نکلے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا اگرچہ وہ خون زخم سے تجاوز کر کے باہر بھی نکل آئے۔ چنانچہ ہم نے اس میں غور و فکر کیا تو ہم نے غسل کے حکم سے، عذر کے باعث، اسے خارج سمجھا جیسا کہ باطن بدن کا معاملہ ہے۔ کیونکہ آنکھ کے اندر پانی پہنچانا پینا پین کی وجہ بن سکتا ہے جبکہ منہ اور ناک کے اندر پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے تو اسے وجوب کے حکم کے تحت برقرار رکھا گیا۔ طلب کے بعد غور و فکر کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کہتا ہوں کہ یہ ایک باریک فقہی معنی کی مثال ہے مگر جو اسے انہوں جو مشکل کی نظیر کے طور پر ذکر کیا ہے یہ اس کی نظیر نہیں بنتی۔ کیونکہ مشکل میں فی ذاتہ کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے یہ اس طرح کا معاملہ نہیں ہے کیونکہ تطہر کا معنی لغتاً اور شرعاً معلوم ہے لیکن اشتباہ منہ اور ناک کو اس کے تحت واضح کرنے کی نسبت سے ہے جیسا کہ لفظ سارق کی نسبت سے طراد اور نباش کے حکم کا معاملہ ہے تو یہ خفی کے نظائر میں سے ہے نہ مشکل کے۔

علامہ بخاری نے خود ہی وضاحت کر دی کہ یہ مثال خفی کی ہے نہ کہ مشکل کی۔

مشکل کا حکم:

مشکل میں خفی کے مقابلہ میں چونکہ خفا زیادہ پایا جاتا ہے لہذا مشکل کا حکم یہ ہے کہ طلب کے بعد تامل یعنی غور و فکر کیا جائے گا تا کہ مراد ظاہر ہو جائے جیسا کہ علامہ بزدوی نے فرمایا ہے:

"لاینال بالطلب بل بالتأمل بعد الطلب لیتبیین عن اشکالہ۔" (28)

اور علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"وحکبہ اعتقاد الحقیقة فیما هو البراد، ثم الاقبال علی الطلب والتأمل فیہ الی ان یتبیین البراد

فیعبل بہ۔" (29)

یعنی مشکل کا حکم اس کلام سے شارع کی مراد کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنا ہے پھر طلب کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اس میں تامل کرنا ہے یہاں تک کہ مراد ظاہر ہو جائے پس اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ ملا جیون شرح نور الانوار علی المنار میں فرماتے ہیں:

"ای حکم البشکل اولاهو اعتقاد الحقیقة فیما کان مراد اللہ تعالیٰ بسجد سماع الکلام، ثم الاقبال

علی الطلب ای انه لای معنی یتستعمل هذا اللفظ، ثم التامل فیہ بأنه أی معنی یراد ههنا من بین

المعانی فیتبیین البراد۔" (30)

"یعنی مشکل کا حکم اولاً تو یہ ہے کہ محض کلام کے سماع کے نتیجے میں اس کا اعتقاد رکھنا کہ جو اللہ تعالیٰ کی مراد

ہے وہ حق ہے۔ پھر طلب (معانی) کی طرف متوجہ ہونا یعنی یہ لفظ کن کن معانی میں مستعمل ہے۔ اس کی

طلب کرنا پھر اس میں تامل کرنا یعنی یہ غور و فکر کرنا کہ یہاں معانی میں سے کون سے معانی مراد ہیں پس

اس سے مراد واضح ہو جائے گی۔"

اور اگر یہ اشکال نصوص کے ظاہری تعارض کی وجہ سے پیدا ہو جیسے کہ اس سے پہلے اس کا ذکر کیا

جا چکا تو اس کے بارے میں عبد الوہاب خلاف فرماتے ہیں:

"واذا وردت نصوص ظاہرها التخالف والتعارض فعلى المجتهد ان یؤولها تاویلا صحیحاً یوفق

بینہا ویزیل مافی ظاہرها من اختلاف، وھادیة فی هذا التاویل: امانصوص اخری، او قواعد الشرح

او حکمة التشریح۔" (31)

اگر نصوص میں ظاہری طور پر تعارض و تخالف کی صورت پیدا ہو تو مجتہد کے ذمہ ہے کہ وہ ان کی صحیح تاویل

کرے جس سے ان میں مطابقت و موافقت پیدا ہو جائے اور ظاہری اختلاف دور ہو جائے۔ اس تاویل کے لیے رہنمائی

یا تو دیگر نصوص سے ملے گی یا قواعد شریعت سے یا احکام شریعت کی حکمتوں پر نظر کرنے سے۔

ڈاکٹر ادیب صالح تفسیر النصوص میں مشکل کے حکم سے متعلق تمام مباحث کا حاصل تحریر فرماتے ہیں:

"أن حكم المشكل النظر اولاً في المعاني التي يحتملها اللفظ وضبطها، ثم الاجتهاد في البحث عن القرائن التي يمكن بواسطتها معرفة المعنى المراد من بين تلك المعاني المحتملة - وبذلك يحتاج في الوصول الى المعنى الذي يدل عليه اللفظ في المشكل، من الاجتهاد، ما لا يحتاج في الخفي، اذ أن المشكل كما ذكرنا من قبل - ادخل في عدم الوضوح من الخفي وقد كنا اسلفنا ان المشكل لا يكتفي في الازالة غموضه بالطلب لا بد بعد هذا الطلب من البحث والتامل -" (32)

"مشكل کا حکم یہ ہے کہ سب سے پہلے ان معانی پر نظر کی جائے جن کا وہ لفظ احتمال رکھتا۔ پھر ان قرائن کی تلاش کی سعی کی جائے جن کے ذریعے احتمالی معنی میں سے مرادی معنی تک رسائی ممکن ہے اس لحاظ سے مشکل لفظ کے معانی اور دلالت تک رسائی کے لیے اس اجتہادی کاوش و کوشش کی احتیاج ہوتی ہے جس کی خفی میں ضرورت نہیں ہوتی۔ اس طرح جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ مشکل عدم وضوح میں خفی سے زیادہ گہرا ہے اور ہم نے پہلے بیان کیا کہ مشکل کے معاملے میں غموض کا ازالہ محض طلب سے نہیں ہوتا بلکہ اس طلب کے بعد بحث اور غور و فکر لازم ہے۔"

مجمل:

غیر واضح الدلالة الفاظ کی تیسری قسم مجمل ہے جو مفسر کے مقابل ہے جس طرح ظاہر اور نص کے مقابلہ میں مفسر میں معنی کا ظہور زیادہ ہوتا ہے سوائے نسخ کے ہر قسم کی تاویل یا تخصیص کا احتمال ختم ہو جاتا ہے اسی طرح "مجمل" میں خفی اور مشکل کے مقابلہ میں خفا زیادہ ہوتا ہے جو صرف طلب و تامل سے دور نہیں ہوتا جب تک مجمل یعنی شارع کی طرف سے اس کا بیان نہ ہو۔

مجمل، اجمال، جس کے معنی ابہام کے ہیں، سے ماخوذ ہے اجمل علیہم الامر اس وقت بولا جاتا ہے جب لوگوں پر معاملہ مشتبہ ہو جائے اور اصطلاح میں مجمل اس لفظ کو کہا جاتا ہے جس میں بہت سے معانی مجتمع ہوں اور پھر اس کی مراد اس طرح مشتبہ ہو جائے کہ نفس عبارت سے معلوم نہ ہو سکتی ہو بلکہ مجمل کے بیان کرنے سے اس کی مراد معلوم ہو۔ جیسے کوئی شخص پردیس میں اپنی ہیئت اور لباس بدل کر لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے لگا ہو تو لوگوں سے دریافت کیے بغیر اس شخص کے بارے میں واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی اس طرح مجمل یعنی شارع جب تک اپنی مراد بیان نہیں کرے گا کوئی اس کی مراد سے واقف نہیں ہو سکتا۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"ثم المجمل وهو ما ازدحت فيه المعاني واشتبه المراد اشتباها لا يدرك بنفس العبارة بل بالرجوع الى الاستفسار ثم الطلب ثم التامل وذلك مثل قوله تعالى وحرّم الربو فانّه لا يدرك بمعاني اللغة بحال وكذلك الصلوة والزكوة وهو ماخوذ من الجبلّة وهو كرجل اغترب عن وطنه بوجه انقطع به اثره والمشكل يقابل النص والمجمل يقابل المفسر۔" (33)

"پس مجمل وہ ہے جس میں معانی کا ازدحام واقع ہو جائے اور مراد مشتبه ہو جائے ایسا اشتباہ آجائے کہ نفس عبارت سے وہ معلوم نہ ہو سکے بلکہ استفسار، پھر طلب اور پھر تامل اور اس کی مثال یہ ارشاد خداوندی حرّم الربا ہے۔ یہ ربا کے مرادی معنی، لغت کے ذریعے کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس طرح لفظ صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ کا معاملہ ہے اور یہ لفظ "جملہ" سے لیا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بندہ اپنے ملک سے غریب ہو گیا۔ ایسی غریب و انقطاع مراد ہے کہ اس کا نشان تک ختم ہو جائے مشکل نص کے مقابلہ میں ہے اور مجمل مفسر کے مقابلہ پر ہے۔"

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"واما المجمل فهو ضد المفسر، ماخوذ من الجبلّة، وهو لفظ لا يفهم المراد منه الا باستفسار من المجمل وبيان من جهته يعرف به المراد، وذلك اما لتوحش في معنى الاستعارة او في صيغة عربية ما يسيبها اهل الادب لغة غريبة، والغريب اسم لمن فارق وطنه ودخل في جبلّة الناس فصار بحيث لا يوقف على اثره الا باستفسار عن وطنه ممن يعلم به۔" (34)

"مجمل مفسر کی ضد ہے۔ یہ لفظ "الجبلّة" سے ماخوذ ہے۔ مجمل وہ لفظ ہے جس کی مراد سمجھ میں نہ آئے سوائے اس کے کہ اجمال کرنے والے سے پوچھا جائے اور اسی کی طرف سے بیان ہو جائے جس سے مراد معلوم ہو اور یہ اس اجمال کی وجہ کہ یا تو استعارہ کے معنی میں بُعد ہوتا ہے یا عربی صیغہ میں اجنبیت ہوتی جس کو اہل ادب میں صیغہ غریبہ کہا کرتے ہیں اور غریب وہ جو وطن سے دور ہو اور دوسرے لوگوں میں داخل اس طرح ہو کہ اس کا کوئی نشان پتہ نہ چلے سوائے استفسار اور پوچھنے کے اس کے وطن کے بارے میں جس سے پہچان ہو جائے۔"

علامہ عبد العزیز بخاریؒ کشف الاسرار میں علامہ بزدویؒ کی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قوله ثم المجمل أي بعد المشكل المجمل ومعناه فوقه لانه لبايد أبيان أدنى درجات الخفاء اولاً كان كل ما بعدة أعلى رتبة منه في الخفاء (ما ازدحت فيه المعاني) أي تدافعت يعني يدفع كل

واحد سواہ لانہ شہل معانی کثیرہ، وقولہ: (المعانی) لیس بشرط لصیورته مجبلا، لان اللفظ المشترك بین معین قد یصیر مجبلا اذا انسد فیہ باب الترجیح کما مرّ، والبراد من المعنی ههنا مفهوم اللفظ، واولی أن یقال البراد من ازدحام المعنی تواردها علی اللفظ من غیر رحجان لاحدها علی الباقی کما فی المشترك فی اصل الوضع الی ان التوارد ههنا عم منه فی المشترك باعتبار الوضع فقط باعتبار غرابه وباعتبار غرابه اللفظ وتوحشه من غیر اشتراك فیہ وباعتبار ابهام المتکلم الکلام وهذا لان المجہل انواع ثلاثه: نوع لا یفہم معناه لغه کالهلوع قبل التفسیر ونوع معناه مفهوم لغه ولكنه لیس ببراد کالربا والصلاة والزکاة ونوع معناه معلوم لغه إلا انه متعدد والبراد واحد منها ولم یکن تعیینه لانسداد باب الترجیح فیہ کما مرّ، ففی القسم الاخیر توارده المعنی باعتبار الوضع و فی القسمین الاولین باعتبار غرابه اللفظ و ابهام المتکلم۔" (35)

" (ثم الجمل) یعنی مشکل کے بعد مجمل ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے اوپر ہے کیونکہ جب خفا کے درجات کے اعتبار سے سب سے پہلے ادنیٰ کا بیان ہے تو پھر اس کے بعد جسے بھی بیان کیا جائے گا وہ خفا میں اس سے اوپر درجہ کا ہو گا۔ (ما از دحت فیہ المعانی) یعنی ہر معانی دوسرے معانی کو دفع کرے نہ کہ ازدحام سے مراد بہت سے معانی کا شامل ہونا ہے۔ (المعانی) یہ مجمل قرار دینے کے لیے شرط نہیں ہے (کہ معانی کثیر ہوں) بلکہ دو معانی میں مشترک لفظ بھی کبھی مجمل ہوتا ہے جب ترجیح کا باب بند ہو جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اور یہاں معنی سے مراد لفظ کا مفہوم ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے ازدحام معانی سے مراد معانی کا لفظ پر ایسا ورد ہے کہ ان میں کسی ایک معنی کو دوسرے معانی پر ترجیح نہ دی جاسکے جیسا کہ مشترک میں وضع کے اعتبار سے ایک معنی کو ترجیح ممکن نہیں ہوتی البتہ یہاں معانی کا ورود مشترک سے زیادہ عام ہوتا ہے۔ مشترک میں توارده معانی کا مسئلہ محض وضع کے اعتبار سے ہوتا ہے جبکہ مجمل میں توارده کبھی وضع کے اعتبار سے ہوتا ہے، کبھی لفظ کی غرابت کے اعتبار سے بغیر کسی معانی کے اشتراک کے (یعنی لفظ مشترک نہیں ہوتا بلکہ، اس میں غرابت ہوتی ہے) اور کبھی متکلم کی جانب سے ابہام کے اعتبار سے۔ اس لحاظ سے مجمل کی تین اقسام ہیں پہلی قسم جس میں معنی لغت کے ذریعے نہ سمجھے جاسکیں جیسے حلوع کا لفظ تفسیر سے پہلے۔ دوسری قسم جس میں لغوی اعتبار سے معنی سمجھے جاسکتے ہیں لیکن وہ مراد نہیں ہوتے جیسے ربا، صلوة و زکوٰۃ۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں لغوی اعتبار سے معنی معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ معانی متعدد ہوتے ہیں جبکہ مراد ایک ہی معنی ہوتا ہے اور اس معنی کو معین کرنے کا امکان نہیں ہوتا کیونکہ ترجیح کا باب بند ہو

جاتا ہے جیسا کہ اس کے بارے پہلے ذکر گزر چکا۔ آخری قسم میں تو ارد معنی باعتبار وضع ہوتا ہے جبکہ اول قسموں میں لفظ کی غرابت اور متکلم کی طرف سے ابہام کی وجہ سے ہوتا ہے۔"

علامہ عبد العزیز بخاری نے مذکورہ عبارت میں مجمل کی اقسام بھی بیان کر دی ہیں:

مجمل کی تین اقسام ہیں:

- 1- ایک وہ جس میں ازدحام معنی کی وجہ سے اجمال پیدا ہوا ہو جیسا کہ مشترک جب اس میں ترجیح کا دروازہ بند ہو گیا ہو یعنی ایک معنی کو دوسرے معنی پر ترجیح حاصل نہ ہو۔
- 2- دوم وہ جن میں معانی کا اشتراک تو نہ ہو لیکن لفظ غریب ہونے کی وجہ سے اجمال پیدا ہو گیا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ان الانسان خلق هلوعا﴾ (36) میں لفظ هلوع تفسیر سے قبل مجمل تھا باری تعالیٰ نے خود ہی اس کی تفسیر بیان کر دی:

﴿اِذَا مَسَّهُ الشُّرُّ جُؤُوعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْبُ مَنُوعًا﴾ (37)

- 3- سوم مجمل وہ لفظ ہے جس میں اجمال اس لیے پیدا ہو گیا ہو کہ متکلم نے اپنے کلام کے ظاہری معنی چھوڑ کر یعنی لغوی معنی ترک کر کے شرعی اصطلاحی معنی مراد لیے ہوں جیسے لفظ صلوة، زکوٰۃ، صوم، حج وغیرہ۔ ان میں مجمل الفاظ کا اجمال شارع کے بیان ہی سے رفع ہوا ہے۔ شارع کے بیان کے بعد اب یہ مفسر بن گئے۔

ان میں تین اقسام میں سے پہلی قسم کا اجمال اگر صرف طلب و تامل سے دور ہو جاتا ہو تو وہ مشکل کہلائے گی مجمل نہیں لیکن اگر وہ رفع اجمال کے لیے شارع کے بیان کی محتاج ہو تو پھر مجمل ہی ہو گی۔ البتہ دوسری دو اقسام کا اجمال صرف طلب و تامل سے دور نہیں ہو سکتا بلکہ ان کا شارع کے بیان کا محتاج ہونا ظاہر ہے۔

مجمل کا حکم:

مجمل کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کے حق ہونے کا اعتقاد ہو اور اس میں توقف ہو یہاں تک کہ بیان سے اس کی مراد ظاہر ہو جائے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"وموجبہ اعتقاد الحقیۃ فیما هو المراد والتوقف فیہ الی ان یتبین ببیان المجمل۔" (38)

علامہ نسفیؒ بھی "النار" میں مجمل کا حکم اسی طرح بیان فرماتے ہیں:

"وحکبہ اعتقاد الحقیۃ فیما هو المراد والتوقف فیہ الی ان یتبین ببیان المجمل۔" (39)

مجمل کا بیان کبھی تو قرآن مجید میں ہی ہوتا ہے جیسے ہلوع اور کبھی یہ بیان نبی کریم ﷺ کے قول و فعل اور تقریر سے ہوتا ہے جیسے شرعی اصطلاحات، صلوة، زکوٰۃ، صوم و حج وغیرہ کا بیان نبی کریم ﷺ کے اقوال و اعمال سے ہوا اور آپ کا یہ بیان بھی من جانب اللہ ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (40)

"یعنی آپ ﷺ مبین کتاب اللہ من جانب اللہ ہیں۔"

متشابہ:

غیر واضح الدلالہ الفاظ کی چوتھی قسم متشابہ ہے جو محکم کے مقابلہ میں ہے جس طرح محکم میں معنی کا ظہور انتہائی درجہ کا ہوتا ہے اسی طرح متشابہ میں انتہائی درجہ کا خفا ہوتا ہے جس طرح محکم میں نسخ کا احتمال نہیں ہوتا اسی طرح متشابہ میں بیان کی امید بھی منقطع ہو جاتی ہے۔

متشابہ لغت میں اشبہت الامور وتشابہت سے ماخوذ ہے جس کے معنی التبتت لاشتباه بعضها بعضا یعنی ایک دوسرے سے خلط ملط ہو گئے۔ وتشبہ علیہ الامرای لبس علیہ یعنی پوشیدہ ہو گیا۔ (41)

جہاں تک اصولیین کی اصطلاح کا تعلق ہے ڈاکٹر ادیب صالح کے نزدیک حنفی اصولیین کے ہاں بطور اصطلاح کے دو مراحل میں اس کا تصور و ارتقاء ہوا ہے۔ پہلے مرحلہ میں جب ہم تیسری صدی ہجری کے حنفی اصولی امام ابوالحسن الکرخی اور پھر چوتھی صدی ہجری کے حنفی اصولی امام ابوبکر الجصاص جو کرخی کے شاگرد ہیں کی کتب اصول کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے متشابہ کی تعریف جو ان ائمہ کی کتب میں تحریر ہے لغوی مفہوم کے زیادہ قریب ہے

علامہ ابوبکر الجصاص "الفصول فی الاصول" میں امام ابوالحسن الکرخی کی بیان کردہ تعریف نقل فرماتے ہیں:

"كان ابو الحسن رحمه الله يقول المحكم (ما) لا يحتمل الا وجهها واحدا والمتشابه ما يحتمل

وجهين أو أكثر منها۔" (42)

"ابوالحسن فرماتے تھے کہ محکم وہ ہے جو ایک سے زیادہ معنی کا محتمل نہیں ہوتا اور متشابہ دو یا اس سے بھی

زیادہ معانی کو محتمل ہوتا ہے۔"

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ متشابہ دو یا دو سے زیادہ معنی کا احتمال رکھتا ہے پس قرینہ کی وجہ سے دو یا دو سے زیادہ معانی میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے گی جس پر قرینہ دلالت کرے گا۔ متشابہ کی اس

تعریف کی رو سے آیات الاحکام میں بھی تشابہ کا وجود ہے ایسی آیات جن میں تشابہ الفاظ ہوں یعنی ایک سے زیادہ معنی کا احتمال رکھتے ہوں تو ان کو محکم کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس معنی کو ترجیح دی جائے گی جو محکم کے مطابق ہو گا۔ علامہ جصاص نے الفصول فی الاصول میں آیات الاحکام میں تشابہ کے پائے جانے کی مثالیں بیان کی ہیں۔ وضاحت کے لیے ہم ان میں سے دو کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

"وسبیل المتشابه أن يحبل على المحكم ويرد اليه وذلك في الفقه كثير نحو قوله تعالى (ولكن يواخذكم بما عقدتم الايمان) قريء بالتخفيف وبالتشديد، فمن قرأ بالتخفيف احتمل ان يكون المراد به عقد اليمين واحتمل أن يراد به اعتقاد القلب بأن يكون قاصدا الى اليمين فيكون تقديره لبا قصد تمويه من الايمان - وتقدير الاول ولكن يواخذكم باليمين المعقودة وهي التي تعتقد على حال مستقبله فقراءة التشديد لا تحتل الا وجهها واحدا وقراءة التخفيف تحتل معنيين - فوجب حمل ما احتمل وجهين على ما لا يحتل الا وجهها واحدا لان الله تعالى امرنا بذلك في قوله تعالى (هو الذي انزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن امر الكتاب واخر متشابهات) فجعل المحكم اما للمتشابه وامر الشيء هي منها ابتداءً واليه مرجعه -

قال اميه بن الصلت

الارض معقلنا وكانت أمنا

فيها مقابرنا وفيها نواد

فسباها أماننا من حيث كان منها ابتداء خلقنا واليه مرجعنا -

ونظيره ايضاً قوله تعالى (حتى يطهرن) قريء بالتخفيف والتشديد فمن قرأها بالتخفيف أراد انقطاع الدم لا يحتل اللفظ غيره ومن قرأها بالتشديد كان محتملاً لانقطاع الدم لانه يقال طهرت المرأة وتطهرت بمعنى واحد فاحتمل أيضاً الاغتسال فلما احتمل معنيين وجب حمله على ما لا يحتل الا وجهها واحدا وهو انقطاع الدم -" (43)

تشابہ کی توجیہ یہ ہے کہ اس کو محکم پر محمول کیا جائے اور اسی کی طرف لوٹا دیا جائے اور اس کی مثالیں فقہ میں بہت زیادہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی (ولكن يواخذكم بما عقدتم الايمان) لیکن تمہاری پکڑ ہو گی اس قسم پر جو تم نے باندھی ہے لفظ عقدتم کو بغیر تشدید یعنی تخفیف کے

ساتھ پڑھا گیا ہے اور دوسری قرأت میں تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ پس جن قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (بغیر تشدید کے) تو (یہ آیت دو معنوں کو محتمل ہوئی) ایک احتمال یہ ہوا کہ مراد اس سے عقد یمین ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مراد اس سے دل کا اعتقاد ہو کہ وہ یمین کی طرف قصد و ارادہ کرنے والا ہے۔ پس تقدیر کلام یوں ہے کہ (لما قصدتموه) اور پہلے احتمال میں تقدیر کلام یوں ہوگی۔ (ولکن یؤخذکم بسا عقدتم الایمان)۔ لیکن تمہاری پکڑ اور مواخذہ ہو گا۔ اگر باتشدید قرأت ہو تو وہ ایک ہی معنی کا احتمال رکھتی ہے۔

تو یہ واجب ہے کہ جو دو معانی کا احتمال رکھے اسے اس کی طرف لوٹایا جائے گا جو ایک معنی کا احتمال رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم فرمایا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿هو الذی انزل علیک الكتاب منہ آیات محکمات هن امر الكتاب واخر متشابہات﴾ تو محکم کو متشابہ کے لیے ام (ماں) بنایا۔ ام الشئی (کسی چیز کی ماں) وہ ہے جس سے اس چیز کی ابتداء ہوتی ہے اور اسی کی طرف اس کا مرجع ہوتا ہے۔ امیہ بن الصلت کا قول ہے

زمین ہماری جائے پناہ ہے اور ہماری ماں ہے

اس میں ہماری قبریں ہیں اور ہم اس میں دفن ہوتے ہیں۔

اس نے اس کو ام کا نام دیا اس لحاظ سے کہ اس سے ہماری تخلیق کی ابتداء ہے اور اس کی طرف ہمارا مرجع (لوٹنے کی جگہ) ہے۔ اس کی نظیر یہ فرمان باری تعالیٰ بھی ہے (حتی یطہرن) اس کو تخفیف اور تشدید دونوں طرح قرأت کیا گیا ہے تو جس نے اس کو تخفیف کے ساتھ قرأت کیا تو اس نے انقطاع الدم مراد لیا کیونکہ یہ کسی دوسرے لفظ کو محتمل نہیں۔ اور جس نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا تو یہ انقطاع دم کا بھی محتمل ہے کیونکہ کہا جاتا ہے طہرت المرأة و طہرت ایک اور معنی کا بھی یہ احتمال رکھتا وہ غسل ہے۔ پس جب دو معانی کو محتمل ہو تو لازم ہو اس کو اس پر محمول کیا جائے تو صرف ایک معنی کا احتمال رکھتا ہے، پس وہ انقطاع دم (خون کا رکنا) ہے۔

مذکورہ مثالوں میں سے پہلی مثال میں لفظ "عقدتم" کو بعض قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا اور بعض نے تشدید کے ساتھ۔ علامہ ابو بکر الجصاص فرماتے ہیں قرأت تخفیف دو وجوہ کا احتمال رکھتی ہے جبکہ قرأت تشدید سے صرف ایک معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح قرأت تخفیف متشابہ ہے جبکہ قرأت تشدید محکم ہے لہذا متشابہ کو محکم کی طرف لوٹایا جائے گا اس لیے احناف نے عقد سے مراد یمین منعقدہ ہی لیا ہے جو قرأت تشدید کا مدلول ہے۔

دوسری مثال میں "حتیٰ یطہرن" بھی دو قرأتیں ہیں بعض قرآن نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے تشدید کے ساتھ۔ قرآن بالتشدید انقطاع دم اور اغتسال دونوں کا احتمال رکھتی ہے جبکہ قرآن بالتخفیف سے صرف انقطاع دم ہی مراد ہے دوسرا احتمال ہے ہی نہیں لہذا قرآن بالتشدید کو قرآن بالتخفیف کی طرف لوٹایا جائے کیونکہ قرآن بالتخفیف محکم ہے اور قرآن بالتشدید متشابہ ہے۔  
ڈاکٹر عجمیل جاسم "الفصول فی الاصول" کی تعلیقات میں فرماتے ہیں:

"وضح الامام الجصاص ذلك في احكام القرآن فقال اذا قرىء بالتخفيف فانما هو انقطاع الدم لا الاغتسال لانها لو اغتسلت وهي حائض لم تطهر فلا يحتل قوله (حتیٰ یطہرن) الا معنى واحدا وهو انقطاع الدم الذي به يكون الخروج من الحيض، واذ قرىء بالتشديد احتل الامر من انقطاع الدم ومن الغسل لما وصفنا آنفا فصارت قرآن التخفيف محكمة وقرآن التشديد متشابهة وحكم المتشابهة أن يحبل على المحكم ويرد اليه فيحصل معنى القراءتين على وجه واحد وظاهرهما يقتضى اباحة الوطاء بانقطاع الدم الذي هو خروج من الحيض" (44)

"امام جصاص نے اس کی وضاحت احکام القرآن میں کی ہے۔ فرمایا کہ اگر تخفیف کے ساتھ قرأت کیا جائے تو اس کا مطلب صرف انقطاع دم ہے نہ کہ غسل، کیونکہ اگر اس نے غسل کر بھی لیا اور حائض ہوئی تو وہ پاک نہ ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ کا فرمان (حتیٰ یطہرن) صرف ایک معنی کو محتمل ہے اور وہ انقطاع دم ہے جس کی بنیاد پر حیض سے خروج ہوگا۔ پس جنہوں نے تشدید کے ساتھ قرأت کی جائے تو یہ امر کا احتمال رکھے گی انقطاع دم اور غسل کا۔ غسل کے بارے میں ہم نے پیچھے ذکر کیا تو قرأت بالتخفیف محکم قرار پائی اور قرأت تشدید متشابہہ اور حکم متشابہہ یہ ہے کہ اسے محکم پر محمول کیا جائے اور اسی کی طرف لوٹایا جائے پس دونوں قرأتوں کا مدلول ایک ہی معنی قرار پائے گا اور ان دونوں کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ خون رک جانے سے جماع مباح ہو۔ انقطاع دم سے مراد حیض سے نکلنا ہے۔"

امام ابو الحسن الکرخی اور امام ابو بکر الجصاص کی بیان کردہ تعریف کی رو سے متشابہ اور مجمل کا ایک ہی مفہوم ہے جیسا کہ مذکورہ مثالوں سے بھی ظاہر ہے۔ پہلی مثال میں قرآن بالتخفیف مجمل ہے اور قرآن بالتشدید مفسر ہے اسی طرح دوسری مثال میں قرآن بالتشدید مجمل ہے اور قرآن بالتخفیف مفسر ہے اس لیے کہ دو قرأتیں دو آیات کے قائم مقام ہوتی ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے بھی الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں متشابہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

"تثابہ آن ست کہ محتمل دو معنی باشد بسبب احتمال رجوع ضمیرید مرجع چنانکہ شخصے گفت اما ان الامیر امرنی ان العن فلانا لعنة اللہ یا اشتراک کلمہ در دو معنی مانند لامستم در جماع و لمس بید و احتمال عطف بر قریب و بعید مانند "وامسحوبہ و وسکم وارجلکم" فی قرآۃ الکسرة و احتمال عطف و استیناف مانند لایعلم تاویلہ الا اللہ و الراسخون فی العلم" (45)

تثابہ وہ کلام ہے جس میں دو معانی کا احتمال ہو۔ کبھی یہ احتمال ضمیر کے دو مرجع کی جانب لوٹنے کی وجہ سے ہو گا جیسا کہ کسی شخص نے کہا اما ان الامیر امرنی ان العن فلانا لعنة اللہ (یعنی امیر نے مجھے حکم دیا کہ فلاں پر لعنت کروں اللہ اس پر لعنت کرے) یہاں لعنة میں "ہ" کی ضمیر کے مرجع کے بارے اشتباہ ہے کہ یہ حکم دینے والے امیر کی طرف لوٹ رہی ہے یا جس پر اس نے لعنت کا حکم دیا اس کی طرف۔ کبھی اس کی وجہ سے بھی اشتباہ ہوتا ہے کہ کلمہ دو معانی میں مشترک ہوتا ہے جیسے لامستم جماع اور ہاتھ سے چھونے میں مشترک ہے۔ کبھی اشتباہ عطف کے قریب و بعید میں احتمال کے باعث ہوتا مثلاً وامسحوا برروسکم وارجلکم کسرہ والی قرأت کی صورت میں (یعنی وارجلکم والی قرأت میں عطف وامسحوا پر ہے یا فاعسوا پر اس سے اشتباہ لاحق ہونا) کبھی اس اشتباہ اس وجہ سے کہ عطف اور نفی دونوں کا احتمال ہوتا جیسے "وما یعلم تاویلہ الا اللہ و الراسخون فی العلم" میں۔ (کہ وقف اگر الا اللہ پر ہو تو نفی ہوگی اور اگر فی العلم پر ہو تو عطف ہوگا)

دوسرا مرحلہ جس میں تثابہ خفاء معنی کے اعتبار سے آخری درجہ کا لفظ یا کلام قرار پایا، چنانچہ اس میں خفاء انتہائی درجہ کا پایا جاتا ہے یہاں تک کہ بیان کی امید بھی منقطع ہو جاتی ہے اور اس کی مراد معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور یہ اس محکم کے مقابلہ میں ہوتا ہے جو معنی کے ظہور اور قوت میں آخری درجہ کا ہوتا ہے کہ جس میں نسخ کا بھی کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"فاذا صار البراد مشتبه علی وجه لا طریق لدرکہ حتی سقط طلبہ وجب الحقیة فیہ سی متشابہا بخلاف السجل فان طریق درکہ متوہم وطریق درک البشکل قائم فاما البتشابہ فلا طریق لدرکہ الا التسليم فيقتضى اعتقاد الحقیة قبل الاصابة وهذا معنى قوله وآخ متشابہات وعندنا ان لاحظ للراسخين في العلم من البتشابہ الا التسليم على اعتقاد حقیة البراد عند الله تعالى وان الوقف على قوله وما یعلم تاویلہ الا اللہ واجب" (46)

"پس جب مراد کا سمجھ میں آنا اس حد تک مشتبہ ہو گا کہ اس کے حصول کا کوئی طریقہ باقی نہ رہا تو اس کی طلب ساقط ہو جائے گی اور اس کو حق سمجھنا واجب ہو گا۔ تشابہ کو مجمل کے برخلاف یہ نام اس لیے دیا گیا کہ مجمل کے معانی کا حصول ممکن ہوتا ہے اور مشکل کے معانی کا پالینا بھی ثابت ہے۔ جہاں تک تشابہ کا تعلق ہے تو اس کے ادراک کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کو ماننے کے (کہ وہ حق ہے) پس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کو حق سمجھنے کا اعتقاد رکھا جائے اور اس کے معنی قیامت سے پہلے نہیں معلوم ہو سکتے اور یہ معنی ہے اللہ کے فرمان وَأُخِّرُ تَابِهَاتِ كے۔ ہمارے نزدیک راسخین فی العلم کے لیے تشابہ کے معنی میں کوئی حصہ نہیں سوائے یہ تسلیم و اعتقاد کرنے کے کہ اس کی حقیقی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ میں الا اللہ پر وقف واجب ہے۔"

علامہ عبد العزیز بخاریؒ "کشف الاسرار" میں اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"(فان طریق درکہ متوہم) أى مرجو من جهة السجل وطریق درك المشكل قائم ای ثابت بدون بیان یلتحق به، بل یعرف فی التأمل فی مواضع اللغة۔ قوله: (الا التسليم) استثناء منقطع من لا طریق قبل الاصابة أى قبل یوم القيامة فان التشابهات تنكشف یوم القيامة، (وهذا) أى ما ذکرنا من تفسیر التشابه وهو الذى لا طریق لدرکه أصلاً (وعندنا لاحظ للراسخين الا التسليم) استثناء متصل من لاحظ أى لیس له موجب سوى اعتقاد الحقیة فیہ والتسليم، وعلى بعبنی مع، وهذا بیان حکم التشابه، وأن الوقف معطوف على قوله لاحظ، وفي بعض النسخ: وعندنا ان لاحظ وهو اصح۔ واختلفوا فی ان الراسخ فی العلم هل یعلم تاویل التشابه فذهب عامة السلف من الصحابة والتابعین رضی اللہ عنہم الى انه لاحظ لاحد فی ذلك وانما الواجب فیہ التسليم الى الله تعالى مع اعتقاد حقیة البراد عندنا، وهو مذهب عامة متقدمی اهل السنة والجماعة من اصحابنا واصحاب الشافعی وهو مختار المصنف والیہ اشار بقوله عندنا، وعلى هذا الوقف على قوله (الا الله) واجب لانه لو وصل فهم ان الراسخين یعلمون تاویلہ فیتغیر الكلام وذهب اکثر المتأخرین الى ان الراسخ یعلم تاویل التشابه، وان الوقف على قوله والراسخون فی العلم لا على ما قبله والواو فیہ للعطف للاستثناء وهو مذهب عامة للبعثرة" (47)

"یعنی مجمل کی جہت سے معنی کی امید ہوتی ہے (و طریق درك المشكل قائم) یعنی بغیر کسی بیان کے ملحق ہونے کے مشکل معانی ثابت ہوتے ہیں لیکن لغت میں غور و فکر سے اس کی معرفت ہوتی ہے۔ (الا التسليم) استثناء منقطع ہے لا طریق سے (قبل الاصابة) یعنی قیامت کے دن سے قبل تشابہات کی حقیقت کا

معلوم ہونا ممکن نہیں البتہ قیامت کے دن ان کی حقیقت کھول دی جائے گی۔ (وہذا) یعنی جو ہم نے تشابہ کی توضیح میں ذکر کیا وہ یہ کہ اس کے ادراک کی کوئی صورت نہیں۔ (وعندنا لاحظ للراسخین الا التسليم) لاحظ سے استثناء متصل ہے۔ یعنی ان کے لیے کچھ بھی واجب کرنے والا نہیں سوائے اس کے حق ہونے کے اعتقاد کے اور اللہ کے سپرد کرنے کے۔ (علیٰ) یہاں بمعنی مع ہے۔ یہ تشابہ کے حکم کا بیان ہے۔ وان الوقف سے شروع ہونے والا جملہ ان کے قول لاحظ پر معطوف ہے۔ بعض نسخوں میں ہے وعندنا لاحظ وهو اصح بھی تحریر ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ راسخ فی العلم کیا تشابہ کی تاویل جان سکتا ہے؟ اسلاف میں عمومی طور پر صحابہ کرامؓ، تابعین کا مسلک یہی ہے کہ کسی کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں اور اس کے معاملہ میں صرف یہی واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور اس کی مراد اس کے پاس حق ہونے پر اعتقاد رکھا جائے۔ یہ عام متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ ہمارے اصحاب اور اصحاب شافعیہ کا مذہب ہے اور مصنف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی طرف اشارہ ان کا قول "عندنا" ہے۔ الا اللہ پر وقف کرنا واجب ہے کیونکہ اگر ملا دیا جائے تو مراد ہو گا الراسخون اس کی تاویل کو جانتے ہیں تو کلام میں تغیر واقع ہو جائے گا۔ مگر متاخرین کا مذہب یہ ہے کہ راسخ فی العلم تشابہ کی تاویل جان سکتا ہے۔ ان کے نزدیک وقف فرمان باری تعالیٰ میں والراسخون فی العلم پر ہے نہ کہ اس سے قبل پر۔ "و" یہاں عطف کے لیے ہے نہ کہ نفی کے لیے۔ یہ عام معتزلہ کا بھی مذہب ہے۔"

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"واما التشابه فهو اسم لما انقطع رجاء معرفة البراد منه لبن اشتبه فيه عليه، والحكم فيه اعتقاد الحقیة والتسليم بترك الطلب والاشتغال بالوقوف على البراد منه، سى متشابهها عند بعضهم لاشتباه الصیغة بها وتعارض المعان فيها وهذا غير صحيح، فالحروف بالقطع في اوائل السور من التشابهات عند اهل التفسیر وليس فيها هذا المعنى ولكن معرفة البراد فيه ما يشبه لفظه وما يجوز ان يوقف على البراد فيه وهو بخلاف ذلك، لانقطاع احتمال معرفة البراد فيه وانه ليس له موجب سوى اعتقاد الحقیة فيه والتسليم كما قال تعالى: (وما يعلم تاويله الا الله) فالوقف عندنا في هذا الموضوع ثم قوله تعالى (والراسخون في العلم) ابتداء بحرف الواو لحسن نظم الكلام وبيان ان الراسخ في العلم من يومن بالتشابه ولا يشتغل بطلب البراد فيه بل يقف فيه مسلما هو معنى قوله تعالى يقولون امانا به كل من عندنا ربنا" (48)

"متشابہ اس کلام کا نام ہے جس کی مراد کی معرفت کی امید منقطع ہو جائے جس معاملے میں اس میں اشتباہ واقع ہے۔ اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھے اور اللہ کے سپرد کر دے اور معانی کی طلب اور اس کی مراد جاننے کے اشتغال کو ترک کر دے۔ بعض کے نزدیک اس کا نام متشابہ اس لیے ہے کہ اس کے صیغہ لفظ کے معانی میں اشتباہ ہوتا ہے اور معانی اس میں متعارض ہوتے ہیں، لیکن متشابہ کی یہ تعریف درست نہیں ہے۔ اہل تفسیر کے نزدیک حروف مقطعات جو سورتوں کے آغاز میں ہیں، متشابہات میں سے ہیں، لیکن وہ اس معنی میں متشابہ نہیں ہیں کیونکہ ان کی مراد کا نہ معلوم ہونا لفظ میں اشتباہ کی وجہ سے نہیں ہے اور اس میں مراد جان لینے کے درپے ہونا جائز نہیں مراد کی معرفت کے احتمال کے منقطع ہونے کے باعث تو یہ اس تعریف کے خلاف ہے۔ پس متشابہ میں اس کے سوا کچھ واجب نہیں ہے اس کے حق ہونے پر اعتقاد رکھا جائے اور اسے اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے (وما یعلم تاویلہ الا اللہ) ہمارے نزدیک اس جگہ پر وقف ہے۔ پھر فرمان باری تعالیٰ والراسخون فی العلم میں حرف واؤ سے ابتداء، حسن کلام کے لیے ہے اور اس کے بیان کے لیے ہے کہ راسخ فی العلم وہ ہے جو متشابہ پر ایمان لاتا ہے اس کی مراد کے جاننے کے درپے نہیں ہوتا بلکہ تسلیم کرتے ہوئے توقف کرتا ہے یہ معنی ہے باری تعالیٰ کے اس فرمان کا یقولون آمنابہ کل من عند ربنا کا۔"

دونوں آئمہ کی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ متشابہ وہ کلام ہے جس کی مراد منقطع ہونے کی امید بالکل منقطع ہوگئی ہو اور اس کی مراد ظاہر ہونے کی کوئی امید نہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے صحیح معنی سمجھنے سے پہلے اس کے حق ہونے کا اعتقاد ہو کہ متشابہ کی جو مراد ہے وہ حق ہے اگرچہ قیامت سے پہلے ہمیں اس کا علم نہیں ہو سکے گا۔

متشابہ کا یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (49)

"وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں، تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔"

سے اخذ کیا گیا ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب الا اللہ پر وقف لازم ہو، علامہ بزدوی اور علامہ سرخسی کا یہی مذہب ہے جو جمہور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ الا اللہ پر وقف کی صورت میں راسخین فی العلم متشابہ کی

مراد جاننے کے درپے نہیں ہوتے کیونکہ ان کی مراد صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے را سخین فی العلم اس کی مراد اللہ ہی کے سپرد کرتے ہیں۔

متشابہ کے اس مفہوم کی رو سے قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں لیکن ان کا تعلق عقیدہ اور اصول دین سے ہے جہاں تک احکام شرعیہ تکلیفیہ کا تعلق ہے ان میں کوئی لفظ متشابہ نہیں ہے کہ جس کی مراد معلوم نہ ہو سکے۔ اس مضمون کی رو سے متشابہ کی دو اقسام ہیں ایک وہ جس کے معانی اور مفہوم ہی کا علم نہیں جیسے حروف مقطعات۔ دوسری قسم ان متشابہ الفاظ کی ہے جن کے لغوی معانی تو معلوم ہیں لیکن حقیقی مراد صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ان کی حقیقی مراد لغوی معانی نہیں ہیں جیسے وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے لیے ید، وجہ، عین، استویٰ کا ذکر ہے ان کے لغوی معنی تو معلوم ہیں لیکن ان کی حقیقی مراد را سخین فی العلم اللہ تعالیٰ ہی کو تفویض کرتے ہیں۔ علامہ بزویٰ فرماتے ہیں:

"وهذا يقابل الحكم ومثاله البقطعات في اوائل السور ومثله اثبات رؤية الله تعالى بالابصار حقا في الاخرة بنص القرآن بقوله وجوه يومئذ ناظرة لانه موجود بصفة الكمال وان يكون مرثيا لنفسه ولغيره من صفات الكمال والمؤمن لا كرامه بذلك اهل لكن اثبات الجهة مبتنع فصار بوصفه متشابها فوجب تسليم المتشابهة على اعتقاد الحقيقة فيه وكذلك اثبات اليد والوجه حق عندنا معلوم باصله متشابها بوصفه وان يجوز بابطال الاصل بالعجز عن درك الوصف وانما ضلت المعتزلة من هذا الجهة فانهم ردوا الاصول لجهلهم بالصفات فصاروا معطلة" (50)

"یہ محکم کے مقابلے میں ہے۔ اس کی مثال سورتوں کے آغاز میں آنے والے حروف مقطعات ہیں اور اس کی مثال آخرت میں آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے حق ہونے کا اس نص قرآنی کے باعث اثبات کرنا ہے وجوہ یومئذ ناظرة (اس دن کچھ چہرے دیکھ رہے ہوں گے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات صفت کمال کے ساتھ موجود ہے اور وہ اپنی ذات کے لیے اور اپنے غیر کے لیے قابل دید ہوگی، اپنی بعض صفات کمال کے ذریعے سے اور مومن اکرام کے باعث دیدار کا اہل ہے، لیکن اللہ کے لیے کسی جہت کا اثبات ممنوع و محال ہے پس اپنے وصف کے باعث یہ متشابہ ہے، پس متشابہ کو اللہ کے سپرد کرنا اور اس کے حق ہونے پر اعتقاد واجب ہے۔ اسی طرح ید اور وجہ کا اثبات ہے کہ ہمارے نزدیک اپنی اصل کے اعتبار سے حق ہے اور وصف کے اعتبار سے متشابہ ہے۔ اصل کو اس وجہ سے باطل قرار دینا جائز نہیں کہ وصف کا ادراک ممکن نہیں معزلہ گمراہ ہونے اس جہت سے کہ انہوں صفات کی کیفیت سے عدم علم کے باعث اصل کا ہی انکار کر دیا اور وہ معطلہ بن گئے۔"

## حواشی و حوالہ جات

۱۔ البدائی، مولانا محمد یعقوب، مولوی مسامی، الجاشیہ، پشاور، مکتبہ حقانیہ، س.ن، ۱/۳۰، ۳۱

۲۔ اصول بزدوی، علی بن محمد، فخر الاسلام، کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، کراچی، امیر محمد کتب خانہ، س.ن، ۹

۳۔ اصول سرخسی، محمد بن احمد، اصول السرخسی، تحقیق ابو الوفاء افغانی، لاہور، دار المعارف النعمانیہ، طبع اول، ۱۹۸۱ء، ۱/۱۸۲

۴۔ بخاری، عبدالعزیز بن احمد، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی، بیروت، دارالکتب العلمیہ، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ۱/۸۲

۵۔ کشف الاسرار، ۱/۸۲

۶۔ صالح، محمد ادیب، تفسیر النصوص، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم، ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۴ء، ۱ / ۲۳۱

۷۔ اصول بزدوی، ۷۴

۸۔ اصول سرخسی، ۱۸۳

۹۔ کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، ۱/۲۱۵

۱۰۔ ملا جیون، شیخ احمد، شرح نور الانوار، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۶ء، ۱/۲۱۵

۱۱۔ تفسیر النصوص، ۱/۲۳۹

۱۲۔ المائدہ ۵:۳۸

۱۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے اصول بزدوی ۷۵، ۷۴؛ اصول سرخسی، ۱/۱۸۲، ۱۸۳

۱۴۔ اصول بزدوی، ۹

۱۵۔ اصول سرخسی، ۱/۱۸۳

۱۶۔ البقرہ ۲:۲۲۳

۱۷۔ کشف الاسرار، ۱/۸۴

۱۸۔ البقرہ ۲:۲۲۲

۱۹۔ الدرہ ۶:۷۶

۲۰۔ کشف الاسرار، ۱/۸۴

۲۱۔ النساء ۹:۴

۲۲۔ النساء ۴:۷۸

۲۳۔ الاعراف ۷:۲۸

۲۴۔ بنی اسرائیل ۷۱:۱۶

۲۵۔ خلاف، عبد الوہاب، علم اصول الفقہ، کویت، دارالقلم، طبع نهم، ۱۳۰۰ھ / ۱۹۷۰ء، ص ۱۸۲

- ٢٦ - المائدة ٥:٦
- ٢٧ - كشف الاسرار، ١/٨٣
- ٢٨ - اصول بزدوى، ٩٠
- ٢٩ - اصول سرخسى، ١/٨٣
- ٣٠ - شرح نور الانوار، ١/٢١٦، ٢١٧
- ٣١ - علم اصول فقه، ١٤٣
- ٣٢ - تفسير النصوص، ١/٢٤٣، ٢٤٣
- ٣٣ - اصول بزدوى، ٩
- ٣٤ - اصول سرخسى، ١/١٨٣
- ٣٥ - كشف الاسرار، ١/٨٢
- ٣٦ - المعارف، ٤٠:١٩
- ٣٧ - المعارف، ٤٠:٢٠، ٢١
- ٣٨ - اصول سرخسى، ١/١٨٣
- ٣٩ - المنار مع كشف الاسرار، ١/٢١٩
- ٤٠ - النحل، ١٦:٢٢
- ٤١ - زمخشري، محمود بن عمر، اساس البلاغة، بيروت، دار المعرفة، ١٣٩٩هـ / ١٩٤٩ء، ٢٢٨
- ٤٢ - جصاص، ابو بكر احمد بن علي، الفصول في الاصول، دراسة وتحقيق دكتور عجيل جاسم النشمي، الكويت، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامية، طبع اول، ١٤٠٥هـ / ١٩٨٥ء، ١/٣٤٣
- ٤٣ - الفصول في الاصول، ١/٣٤٣، ٣٤٥
- ٤٤ - تعليقات الفصول في الاصول، ١/٣٤٥
- ٤٥ - دهلوي، شاه ولي الله، الفوز الكبير في اصول التفسير، مطبع علمي لاهور، سن، ٢٤
- ٤٦ - اصول بزدوى، ٩، ١٠
- ٤٧ - كشف الاسرار، ١/٨٤، ٨٨
- ٤٨ - اصول سرخسى، ١/١٨٣
- ٤٩ - القرآن، ٤:٣
- ٥٠ - اصول بزدوى، ١٠